© rasailojaraid.com

رہنما اور قائد جس سیرت کا ہوگا وہ ہی سیرت قوم میں پیدا ہوگی۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائد کیلئے حسب ذیل شرائط تحریر فرماتے ہیں

"قائد ایسا منتخب کیا جائے جو عبادات اور تقرب الی اللہ کے اعتبار سے عامۃ الناس سے افضل ہو، ذی علم صاحب الرائے فقیہ اور فعال ہو۔ تن آسان نہ ہو۔ صاحب مروت ہو۔ کبائر سے مجتنب ہو صغائر پر مصر نہ ہو۔ سیاسیات میں مہارت رکھتا ہو۔"

استدراک

از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

محترم جناب حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ایک نہایت مخلص، ایثار پیشہ، اور اسلام کا درد رکھنے والے بزرگ ہیں، بلقان کی جنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے وفد کے رکن کی حیثیت سے ترکی جہاد میں اہم خدمات انجام دے چکے ہیں، تحریک خلافت میں کامیاب سرکاری ملازمت ترک کرکے معاشی زندگی کے سلسلہ میں بہت بڑی قربانی پیش کر چکے ہیں اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جدید و قدیم علوم میں سنجیدہ معلومات کے حامل ہیں آپ کا یہ مضمون بہت سے نقاط کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق توجہ ہے۔ لیکن اس میں چند باتیں ایسی ہیں جن سے اعلانِ بیان کو سنجیدگی کے ساتھ اختلاف ہے۔ بنابریں حافظ صاحب کے مضمون کے ساتھ یہ چند سطور سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

حافظ صاحب کے مضمون میں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا گیا ہے اسکو ویسے مسلم الثبوت اور ناقابل انکار مقدمات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جن سے زیر بحث مسئلہ پہ روشنی پڑنے کے ساتھ ساتھ غلط فہمی پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ حافظ صاحب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبی اور عقلی نقطہ نظر سے کسی قوم کی سربلندی کیلئے صرف اخلاقی برتری اور اجتماعی حیثیت کافی ہے اور یہ کہ اکثریت فی نفسہ کوئی اہم شے نہیں، بلکہ اکثر اوقات قوموں کی قوت فکر و عمل میں سستی اور باعث تنزل ہے اور قلت تعداد باعث خطر یا موجب نکبت نہیں ہے بلکہ بیشتر حالات میں برتری اقوام کا سبب اور ذریعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ ہے کہ حافظ صاحب نے اپنے نظریہ کے استشہاد میں قرآن عزیز کی آیات اور تاریخی وقائع کو پیش فرما کر انکو زیادہ محکم اور مضبوط بنانے کی سعی فرمائی ہے

ہم حافظ صاحب کے ان معقولات کو بغیر کسی بحث و نظر کے تسلیم کرتے ہیں کہ کسی قوم کی بہتری اور اسکے تفوق و اقتدار کیلئے اور کوئی نہ نظریہ کارفرما ہو تو ہو لیکن مسلمانوں کے مذہبی نشو و نما اور سیاسی اقتدار کی بہتری اسوقت تک ناممکن ہے جب تک ان میں اخلاق سربلندی اور اعلیٰ اجتماعی وحدت پیدا نہ ہو جائے اور عوام کی زندگی میں اسکے پیدا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ یہ دونوں وصف انکے ارباب حل و عقد کا مستقل شعار بن جائیں۔

وَاَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ وَلَا تَنَازَعُوا اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ایسا

فَتَفْشَلُوا وَتَذْھَبَ رِیحُکُم (انفال) کروگے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائیگی اور ہوا اکھڑ جائیگی۔

اِنِّی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق میں اسلئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کریمانہ کی تکمیل کروں۔

مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ بدقسمتی سے اگر مسلمان کسی ملک میں حکومت و اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوں اور وہ ملک مختلف اقوام و مذاہب کا گہوارہ ہو اور ملک دستور و آئین بھی ایسا ہو جو جمہوریت کے طرز کا ہو یا اپنے وطن اور ملک کی آزادی کے بعد اسی قسم کے دستور و آئین سے انکا سابقہ پڑ جائے تو انکا اقلیت و اکثریت کی بحث میں لانا اور اقتدار اعلیٰ میں اپنے حق اقتدار کو سربلند دیکھنے کیلئے اس قسم کے سوالات اٹھانا اسوجہ سے ناجائز قرار پائے کہ ہم میں وحدت اجتماعی نہیں یا جماعتی یا اسلامی نقطۂ نظر سے ہمارے اخلاق میں پستی آ چکی ہے یا اپنی اکثریت پر گھمنڈ کر کے کوئی کام کرنا اور خدا کے فضل کو بھلا دینا یا اپنی اقلیت سے گھبرا کر اسلام کے خلاف امور پر آمادہ ہو جانا اور اسطرح خدائے تعالیٰ کو ناراض کر کے کامیابی کی راہیں تلاش کرنا یقیناً غلط اور گمراہی ہے۔

چنانچہ سورۂ حشر میں کافروں کے اسی نظریہ کی تردید کی گئی ہے کہ جنگ میں ہر جگہ کثرت تعداد کو کامیابی کی کلید سمجھنا گمراہی ہے نیز اس نکتہ کا اشارہ ہے کہ اگر ایک جانب خدا کی نافرمانی اور اسکے احکام کی خلاف ورزی میں کثرت تعداد غول اور بھیڑ کی شکل میں نظر آتی ہو اور دوسری جانب خدا کے فرمانبردار اہل حق بہت تھوڑے نظر آتے ہوں تو وہاں کثرت کو حق سمجھنا اور قلت کو بوجہ قلت تعداد کے ناحق سمجھنا بہت بڑی غلطی اور سخت گمراہی کا باعث ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی فیصلہ میں اسی کی وضاحت فرمائی ہے۔ اسی طرح سورۂ انفال اور دوسری ان آیات میں جو جہاد کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں یہ بتایا گیا ہے کہ اہل اسلام کو پیش نظر ہر وقت خدا اور رسول کی اطاعت اور حق کی سربلندی رہنی چاہئے اور طریق کار میں اسکے فضل کو کبھی نہ بھولنا چاہئے نیز مخالف کی کثرت اور اپنی قلت کی صورت میں جبن و نامردی یا ناشکری پیدا نہ ہونے پائے اور اپنی کثرت اور مخالف کی قلت کی حالت میں بیجا گھمنڈ سامنے نہ آنے پائے لیکن ان آیات کا یہ منشا نہیں ہے کہ دنیوی اسباب و وسائل اور جائز و حقیقی اور برمحل تدابیر کو یکسر بھلا دینا چاہئے اور اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کو ہیچ سمجھ کر مطلق نظر انداز کر دیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ کیا کرنا اپنے کاز کو سخت نقصان پہنچانا اور اپنی اجتماعی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے مرادف ہے چنانچہ آیت وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الخَيلِ (انفال) اور تم (دشمنوں کے مقابلہ میں) حسب استطاعت تیاری کرو طاقت اور جہاد کی تیاری کیلئے گھوڑوں کے باندھنے کے ذریعہ" اسی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اسباب ظاہری توکل، خود اعتمادی، اور وحدت اجتماعی یا اخلاقی برتری کیلئے ممد و معاون ہیں نہ کہ مخالف،

پس اگر کسی جگہ اکثریت و اقلیت کی بحث بھی ظاہری ساز و سامان کے اعتبار سے ضروری ہو تو اسکو کیوں زیر بحث نہ لایا جائے بہرحال ان آیات کا اس مسئلہ سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے کہ اسباب ظاہری میں ہم کو ایک اکثریت کے مقابلہ میں اپنے اقتدار اور اپنی آزادی سے متعلق کچھ نہ سوچنا چاہیے۔

بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں "عدم تشدد" کا طریق کار اور مدنی زندگی میں "جہاد بالسیف" کا کلی نظام نیز آیت اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللہُ عَنکُم وَعَلِمَ اَنَّ فِیکُم ضُعفًا فَاِن یَّکُن مِّنکُم صَابِرَةٌ یَّغلِبُوا مِائَتَینِ" (انفال) اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے تو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔"

میں ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابلہ میں پیٹھ نہ دکھانا منسوخ ہو کر دو گنے کافروں پر غالب رہنے کی دعوت گویا اس بات کی شہادت ہے کہ معرکۂ قتال میں بھی فی الجملہ اکثریت و اقلیت کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے البتہ مسلمانوں کو یہ تلقین ضرور کی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اسباب و وسائل کو صرف اسباب و وسائل سمجھیں اور کامیابی کا راز صرف خدا کے فضل و کرم سے وابستہ رکھیں اور صرف اسی پر بھروسہ کریں۔ لہٰذا آئینی دستور کی بحث میں مسلمانوں کا اقلیت و اکثریت کی بحث کو درمیان میں لانا ان اقوال و بیانات کے منافی نہیں ہے جو حافظ صاحب موصوف نے دنیا کی اولو العزم شخصیتوں کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں اور جن میں بتایا گیا ہے کہ کامیابی کا راز اقلیت و اکثریت پر نہیں ہے بلکہ ہمت و بسالت، یکجہتی، ایثار و قربانی اور پارٹی کی یکرنگی پر ہے۔

اسلام کی مقدس تعلیم اور صدیقی و فاروقی دور خلافت کی عملی زندگی میں یہ سب کچھ موجود ہے جس میں دنیا اطمینان کی قران السعدین ترکیب اور عنصر ہے پس اگر ایک جانب وہاں وحدت اجتماعی اور اخلاقی برتری نظر آتی ہے تو دوسری جانب اسلامی حدود میں رہ کر ظاہری اسباب و وسائل ترقی کا استعمال بھی اجتماعی زندگی کا اہم جز نظر آتا ہے۔ بس کمیونسٹوں (اشتمالیوں) کی مثال اس موقع پر اسلئے بھی بر محل نہیں ہے کہ اقلیت کے ہاتھ میں کامیابی کا معاملہ اس وقت پیش آیا جبکہ جنگ عظیم میں زار روس کی حکومت کے خاتمہ کے اسباب مہیا ہوگئے اور انقلابی جماعت نے ملک کی اکثریت کو اپنے ساتھ لیکر عام انقلاب پیدا کر دیا یہ نہیں ہوا کہ ملک کے آئینی دستور میں ووٹوں کے ذریعہ اقلیت نے اکثریت کو ختم کر دیا۔ اور اکثریت والوں کیلئے مقتنیکر اقلیت کیلئے کامیابی کا باعث بن گئی۔ — ختم مضمون ہم حافظ صاحب نے مسلمانوں کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ وہ دوسری اقوام کی تقلید میں بد اخلاقی کو طریق کار نہ بنائیں بلکہ عدل و انصاف اور دیانت کو اپنا شعار بنائیں کیونکہ یہی اسلامی تعلیم کا خصوصی امتیاز ہے۔ سو ہم اس ارشاد کی حرف بہ حرف تائید کرتے ہوئے صرف اتنا اضافہ چاہتے ہیں کہ عدل و دیانت کو شعار بناتے ہوئے مسلمان کا یہ بھی اسلامی فرض ہے کہ جس طرح وہ ظالم نہ ہو اسی طرح دوسرے کے ظلم کا شکار بھی نہ بنے۔ فقط

© rasailojaraid.com